فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا امام کو لقمہ دیا جا سکتا ہے؟

جواب: امام قرأت میں بھول جائے، تو اسے لقمہ دیا جا سکتا ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةً، فَقَرَأَ فِيهَا فَلُبِسَ عَلَيْهِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لِأُبَيٍّ : أَصَلَّيْتَ مَعَنَا؟ قَالَ : نَعَمْ، قَالَ : فَمَا مَنَعَكَ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (فجر کی) نماز پڑھائی، قرأت کی، تو آپ کو لقمہ لگا۔ نماز سے فارغ ہوئے، تو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے نماز ہمارے ساتھ نہیں پڑھی؟ کہنے لگے: جی ہاں، فرمایا: پھر لقمہ کیوں نہیں دیا۔''

(سنن أبي داود : 907، المعجم الكبير للطّبراني : 313/12، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۲۲۴۲) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ حافظ نووی رحمہ اللہ (المجموع: ۴/۲۴۱) نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

طبرانی کے الفاظ ہیں:

فَمَا مَنَعَكَ أَنْ تَفْتَحَ عَلَيَّ؟

’’مجھے لقمہ کیوں نہ دیا۔‘‘

❁ ثابت بنانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ أَنَسٌ يُّصَلِّي وَغُلَامُهٗ يُمْسِكُ الْمُصْحَفَ خَلْفَهٗ، فَإِذَا تَعَايَا فِي آيَةٍ، فَتَحَ عَلَيْهِ.

’’سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے، تو ان کا غلام ان کے پیچھے قرآن پکڑ کر کھڑا ہو جاتا۔ جب آپ کسی آیت پر رکتے، تو وہ لقمہ دے دیتا۔‘‘

(مصنّف ابن أبي شيبة : 337/2، السّنن الكبرٰى للبيهقي : 212/3، وسندهٗ صحيحٌ)

تنبیہ:

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

مَنْ فَتَحَ عَلَى الْإِمَامِ فَقَدْ تَكَلَّمَ.

’’جس نے امام کو لقمہ دیا، اس نے (نماز میں) کلام کیا۔‘‘

(مصنّف عبد الرزاق :2821، سنن الدّارقطني : 1489)

سند ضعیف ہے۔ حارث بن عبداللہ اعور جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

تنبیہ:

امام قرأت بھول جائے اور کوئی ایسا شخص لقمہ دے دے، جو امام کی اقتدا نہیں کر رہا۔ تو یہ جائز ہے۔ فاسد کہنے والوں کی بات درست نہیں۔

سوال: قبر پر تین لپیں مٹی ڈالتے وقت ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى﴾ (طہٰ:۵۵) پڑھنا کیسا ہے؟

(جواب): شرع محمدی میں ثابت نہیں۔ اس حوالہ سے مسند احمد (۲۵۴/۵) میں سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے منسوب روایت ہے، جس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اس میں عبیداللہ بن زحر اور علی بن یزید الہانی دونوں جمہور کے نزدیک ضعیف ہیں۔ اس کی سند کو امام بیہقی (السنن الکبریٰ: ۳/ ۴۰۷)، حافظ ہیثمی (مجمع الزوائد: ۴۳/۳)، حافظ ذہبی (تلخیص المستدرک: ۳۷۹/۲) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (التلخیص الحبیر: ۱۳۰/۲) نے ''ضعیف'' کہا ہے۔

(سوال): قرآنی سورتوں اور آیات کی بطور علاج گنتی مقرر کرنا کیسا ہے؟

(جواب): بعض لوگ مختلف علاج معالجے اور پریشانیوں کا حل بتاتے ہوئے بعض قرآنی سورتوں اور آیات کی گنتی مقرر کرتے ہیں، یہ اقدام مستحسن نہیں۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

اَلسُّنَّةُ لَا تَثْبُتُ بِمُجَرَّدِ التَّجْرِبَةِ وَلَا يَخْرُجُ بِهَا الْفَاعِلُ لِلشَّيْءِ مُعْتَقِدًا أَنَّهُ سُنَّةٌ عَنْ كَوْنِهِ مُبْتَدِعًا .

''محض تجربہ سے سنت ثابت نہیں ہوتی۔ کسی (غیر مسنون) کام کو سنت سمجھ کر کرنے والا بدعتی ہے۔''

(تُحفة الذّاكرين، ص 215)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّمَا يَثْبُتُ اسْتِحْبَابُ الْأَفْعَالِ وَاتِّخَاذُهَا دِينًا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَا كَانَ عَلَيْهِ السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ، وَمَا سِوٰى هٰذِهٖ مِنَ الْأُمُورِ الْمُحْدَثَةِ فَلَا يُسْتَحَبُّ، وَإِنِ اشْتَمَلَتْ أَحْيَانًا عَلٰى فَوَائِدَ، لِأَنَّا نَعْلَمُ أَنَّ مَفَاسِدَهَا

رَاجِحَةٌ عَلٰى فَوَائِدِهَا .

''افعال کا استحباب اور مشروعیت صرف کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور سلف صالحین کے عمل سے ثابت ہوتی ہے۔اس کے علاوہ جتنے بھی امور بعد میں جاری ہوئے، وہ مستحب نہیں، اگر چہ ان کے بعض (وقتی) فوائد بھی ہوں، کیونکہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ ان کے مفاسد، فوائد سے زیادہ ہیں۔''

(اقتضاء الصّراط المستقیم : 218/2)

سوال: حدیث: لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ؛ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا کا کیا مفہوم ہے؟

جواب: یہ متفق علیہ روایت ہے۔ یہاں حسد مجازاً ''غبطہ'' (رشک) کے معنی میں مستعمل ہے۔ ویسے تو حسد شرعاً حرام اور مذموم وممنوع ہے۔سب سے پہلے حسد ابلیس نے کیا تھا۔کسی پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور نعمت دیکھ کر دل جل جانا اور اس سے زوال نعمت کی خواہش کرنا ''مذموم حسد'' ہے۔رہا غبطہ (رشک) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی پر اللہ تعالیٰ کی نعمت دیکھ کر رشک آجانا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ایسا ہی نواز دے۔اس میں زوال نعمت کی خواہش نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا قابل رشک عمل ہے، اسی طرح حفظ قرآن کی دولت بھی بے مثال ہے۔

سوال: قرأت کے اختتام پر صدق اللہ العظیم کہنا کیسا ہے؟

جواب: اس پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔

سوال: ختم قرآن سے متعلق دعا کا کیا حکم ہے؟

(جواب): وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِخْبَاتَ الْمُخْبِتِينَ، وَإِخْلَاصَ الْمُوقِنِينَ، وَمُرَافَقَةَ الْأَبْرَارِ، وَاسْتِحْقَاقَ حَقَائِقِ الْإِيمَانِ، وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ، وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ، وَوُجُوبَ رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ.

''اے اللہ! میں تجھ سے عاجز اور انکسار لوگوں کی انکساری، یقین کامل رکھنے والوں کے اخلاص، نیکوکاروں کی رفاقت، حقائق الایمان کے استحقاق، ہر نیکی میں حصہ داری، ہر گناہ سے بچاؤ، تیری رحمت کے واجب ہونے، اپنے حق میں بخشش کے پختہ ہونے، جنت میں داخل ہونے کی کامیابی اور جہنم سے نجات کا سوال کرتا ہوں۔''

(مَجموع فيه مصنفات أبي الحسن ابن الحمامي، ص 183، الأمالي للشّجري: 563)

سند ضعیف و منکر ہے۔ ابو یحییٰ زکریا بن ابی صمصامہ مجہول ہے۔

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أَتٰى بِخَبَرٍ مُّنْكَرٍ عَنْ حُسَيْنٍ الْجُعْفِيِّ.

''اس نے حسین جعفی سے (یہ) منکر روایت بیان کی ہے۔''

(میزان الاعتدال: 73/2)

(سوال): تکمیل قرآن کے موقع پر دعا کرنا کیسا ہے؟

(جواب): تکمیل قرآن کریم کے موقع پر دعا کرنا جائز ہے۔

❁ ثابت بنانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ أَنَسٌ إِذَا خَتَمَ الْقُرْآنَ، جَمَعَ وَلَدَهُ وَأَهْلَ بَيْتِهِ فَدَعَا لَهُمْ .

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب قرآن کریم کی تکمیل کرتے ،تو اپنے بچوں اور دیگر اہل خانہ کو جمع کرتے اور ان کے لیے دعا کرتے۔''

(سنن الدّارمي : 3717، فضائل القرآن للفريابي : 83، تفسير ابن منصور : 27، وسندهٗ حسنٌ)

سوال: کیا قرآن کی تلاوت کرنے والے کو سلام کہا جا سکتا ہے؟

جواب: قرآن پڑھنے والے کو سلام کہنا مسنون ہے۔

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا جُلُوسًا فِي الْمَسْجِدِ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ، فَدَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَلَّمَ عَلَيْنَا، فَرَدَدْنَا عَلَيْهِ السَّلَامَ .

''ہم مسجد میں بیٹھے قرآن کریم پڑھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور ہمیں سلام کہا۔ ہم نے سلام کا جواب دیا۔''

(مسند الإمام أحمد : 150/4، وسندهٗ حسنٌ)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى السَّلَامِ عَلَى الْقَارِئِ .

''یہ حدیث دلیل ہے کہ قرآن پڑھنے والے کو سلام کہا جا سکتا ہے۔''

(مقدمة تفسير ابن كثير :61/1)

سوال: ریاکاری اور دکھلاوا کا توڑ کیا ہے؟

جواب: ریاکاری شرک خفی ہے۔ یہ نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔ اخلاص کی دولت سے

محروم شخص ہی ریا کاری میں مبتلا ہوسکتا ہے۔اس کا توڑ یہ ہے کہ آپ جو عمل جلوت میں کریں، وہی خلوت میں بھی کریں۔

(سوال): میت کے ساتھ قرآن کریم رکھنا کیسا ہے؟

(جواب): بے اصل، بے ثبوت اور بدعت ہے۔قرآن کریم کلام الٰہی ہے۔جو اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے اتارا ہے، نہ کہ مُردوں کے سرہانے رکھنے کے لیے۔اس سے مرنے والے کو کیا فائدہ؟ سلف صالحین ایسا ہرگز نہیں کرتے تھے۔ایک مومن کو چاہیے کہ دینی امور میں کتاب وسنت اور اسلاف امت کے فہم پر اکتفا کرے۔اسی طرح بعض لوگ قریب الموت کے سرہانے قرآن کریم رکھتے ہیں، یہ بدعت محدث ہے۔بے اصل عمل ہے۔اسلاف امت اس سے ناواقف تھے۔میت کو غسل دیتے وقت قرآن خوانی جائز نہیں۔اس کے ساتھ ساتھ کفن پر قرآنی آیات لکھنا بھی ثابت نہیں۔اسی طرح جنازے کے پیچھے پیچھے قرآن پڑھنا بھی غیر مسنون عمل ہے۔

(سوال): کیا مقتدیوں کے بعض اعمال امام کی نماز پر اثر انداز ہوتے ہیں؟

(جواب): مقتدیوں کے بعض اعمال امام کی نماز پر اثر انداز ہوتے ہیں، جن میں ایک وضو بھی ہے۔ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمُ الصُّبْحَ فَقَرَأَ بِهِمُ الرُّومَ فَأَوْهَمَ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ : إِنَّهٗ يَلْبَسُ عَلَيْنَا الْقُرْآنُ، إِنَّ أَقْوَامًا مِنْكُمْ يُصَلُّونَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُونَ الْوُضُوءَ، فَمَنْ شَهِدَ الصَّلَاةَ مَعَنَا فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوءَ .

”رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو فجر کی نماز پڑھائی، اس میں سورت روم کی

قرأت کی اور آپ کو لقمہ لگا۔ جب سلام پھیرا، تو فرمایا: ہمیں قرآن کی قرأت میں التباس ہو جاتا ہے، کیونکہ بعض ایسے لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، جو وضو سنوار کر نہیں کرتے۔ لہٰذا جو ہمارے ساتھ نماز میں حاضر ہو، وہ اچھی طرح وضو کرے۔''

(مسند الإمام أحمد : 471/3، تفسير ابن كثير : 216/4، وسندهٗ حسنٌ)

سوال: دشمن کی سرزمین کی طرف سفر کرتے ہوئے قرآن کریم لے جانا کیسا ہے؟

جواب: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى أَنْ يُّسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلٰى أَرْضِ الْعَدُوِّ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی سرزمین میں قرآن لے جانے سے منع فرمایا۔''

(صحيح البخاري : 2990، صحيح مسلم : 1869)

دشمن کی سرزمین میں قرآن کریم لے جایا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ اندیشہ ہو کہ کافر قرآن کریم کی بے حرمتی کر سکتے ہیں، یا اس میں تحریف کر کے وہاں کے مسلمانوں کو گمراہ کر سکتے ہیں، تو ان کی سرزمین میں قرآن مجید لے کر جانا ممنوع ہے۔

سوال: ترجیع کے ساتھ قرأت کا کیا مطلب ہے؟

جواب: سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فِي مَسِيرٍ لَهٗ سُورَةَ الْفَتْحِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ، فَرَجَّعَ فِي قِرَاءَ تِهٖ .

''فتح مکہ والے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر کے دوران سورت فتح کی

تلاوت کی، آپ ﷺ نے ''ترجیع'' کے ساتھ قرأت کی۔''

(صحيح البخاري : 5047، صحيح مسلم : 794، واللّفظ لهٗ)

ترجیع کا لغوی معنی ''حلق میں آواز کو گھمانا'' ہے۔ البتہ حدیث کے سیاق وسباق میں اس کا مطلب خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کرنا ہے۔ اس کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ خشوع وتدبر کی غرض سے آیات کو دہرانا۔

سوال: حافظ قرآن کے والدین کو روز قیامت تاج اور پوشاک پہنائی جائے گی۔ یہ حدیث سنداً کیسی ہے؟

جواب: یہ روایت مسند احمد (۲۹۹۵۰) اور مستدرک حاکم (۱/ ۵۶۸) وغیرہما میں آتی ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ بشیر بن مہاجر غنوی کی کئی منکر روایات ہیں۔ یہ بھی ان میں سے ایک ہے۔

امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ فِي هٰذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَدِيثٌ، أَسَانِيدُهَا كُلُّهَا مُتَقَارِبَةٌ .

''نبی کریم ﷺ سے اس باب میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔ اس حدیث کی تمام سندیں ضعف میں ایک جیسی ہیں۔''

(الضُّعفاء الكبير :143/1)

سوال: جو شخص ہر رات سورت واقعہ پڑھے، اسے فاقہ نہیں پہنچتا۔ یہ بات کہاں تک درست ہے؟

جواب: اس بارے میں ایک ضعیف روایت منقول ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْوَاقِعَةِ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ أَبَدًا .

''جو ہر رات سورت واقعہ پڑھے گا، اسے کبھی فاقہ نہیں آئے گا۔''

(عمل اليوم واللّيلة لابن السّنّي : 682)

سند ضعیف ہے۔شجاع اور ابوطیبہ دونوں مجہول ہیں۔ابوطیبہ کا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

سوال: کیا سونے سے پہلے سورت الملک کی تلاوت کرنا ثابت ہے؟

جواب: سونے سے پہلے سورت الملک کی تلاوت جائز ہے۔اس کے بارے میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بسند حسن معجم کبیر طبرانی (۸٦۵۲) میں آتا ہے۔اس بارے میں مرفوع حدیث لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔